© rasailojaraid.com

ایک حدیث

عن عبد اللّٰہ بن سلام قال قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم ایہا الناس افشوا السلام، واطعموا الطعام، وصِلُوا الارحام، وصلّوا باللیل والناس نیام، تدخلوا الجنۃ بسلام (الدرر فی اختصار المغازی والسیر ابن عبد البر صفحہ ۹۲ طبع قاہرہ ۱۳۸۶ھ)

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، (محتاجوں کو) کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں، نماز (تہجد) ادا کرو، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینے میں داخل ہو رہے تھے، بڑی تیز دھوپ تھی، لیکن اس کے باوجود اہلِ مدینہ آپؐ کے استقبال کے لیے باہر نکل آئے تھے۔ ان میں مدینے کے یہودی بھی تھے اور ان کے عالم و سردار حضرت عبد اللہ بن سلام بھی تھے۔ ان کی پہلی نظر جب آنحضرتؐ کے چہرۂ انور پر پڑی تو بے ساختہ دل نے گواہی دی کہ:

ان وجہہ لیس بوجہ کذاب

یہ پُر نور چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد عبد اللہ بن سلام کے کانوں میں آنحضرت کی جو پہلی آواز پہنچی وہ یہی کلمات تھے جو ابتدا میں درج کیے گئے ہیں۔ ان کلمات میں بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ سلام سے شروع ہو کر سلام ہی پر ختم ہوتے ہیں اور انھیں سننے والے سلام کے فرزند عبد اللہ ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بلاغتِ کلام بھی فرزندِ سلام پر اثر کیے بغیر نہ رہی ہوگی ۔ کہتے ہیں کہ پہلا تاثر آخری تاثر ہوتا ہے ۔ ہر جگہ اور ہر موقعے پر اس کا اطلاق ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو ، لیکن عبداللہ بن سلام جیسے پاک نفس اور حق پرست نے جو پہلا اثر لیا وہی آخر تک رہا ۔ اس میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی ۔ ہر روز اضافہ ہی ہوتا گیا اور اسلام قبول کر کے سلامتی کی زندگی اختیار کر لی ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

مذکورہ بالا الفاظِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) محض مسجّع کلام نہیں بلکہ اس میں پورے اسلامی نظام کو چند لفظوں میں سمیٹ لیا گیا ہے ۔ انسانی معاشرہ اسی وقت ایک صالح اور خوش گوار و جنتی معاشرہ بن سکتا ہے ، جب

۱ ۔ باہمی تعلقات خوش گوار ہوں ۔

۲ ۔ معاشی زندگی میں ہمواری ہو ۔

۳ ۔ ہدایاتِ الٰہی پر عمل ہو ۔

۴ ۔ آخرت بھی ہر آن پیشِ نظر رہے ۔

یہی وہ باتیں ہیں جو اس ارشاد میں بڑی جامعیت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں ۔ گویا مدینہ منورہ آتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آمد کا مقصد بیان کر دیا ۔

ان ارشادات میں سب سے پہلے یہ فرمایا کہ

افشوا السلام

سلام کو پھیلاؤ اور عام کرو ۔

سلام محض کورنش یا سلوٹ کا نام نہیں ۔ السلام علیکم کے معنی ہیں ، تم پر سلامتی ہو ۔ یہ دراصل ایک دلی آرزو اور مخلصانہ تمنا ہے ، جس نے مخاطب کے لیے دعائیہ الفاظ کا پیکر اختیار کر لیا ہے ۔ یہ سچے انسان کا ایک جذبۂ دروں ہے ۔ ایک ہمہ گیر خواہش ہے ، ایک تمنائے پرخلوص ہے کہ تم سلامت رہو ۔ آفات و مصائب سے محفوظ رہو ۔ حالات کچھ بھی ہوں مگر تم سلامتی ہی سے ہم کنار رہو ۔ اس کے افشا اور پھیلاؤ کا مقصد ہی یہ ہے کہ سلام کرنے والا سب کی بھلائی چاہتا ہے ، وہ ایسا نظامِ زندگی چاہتا ہے جس میں کوئی کسی کے لیے باعثِ آزار نہ ہو ۔ دوسرے لفظوں میں کہنا چاہیے کہ وہ صحیح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معنوں میں اسلام چاہتا ہے جس کا مادہ وہی ہے جو سلام کا مادہ ہے یعنی سلم، جس کے معنی صلح و آشتی اور سلامتی ہیں۔ یہی ہے رسالت محمدی کا وہ پہلا پیغام جو اہلِ مدینہ کے کانوں نے سنا۔

اس کے بعد دوسرا جملہ ہے۔

واطعموا الطعام۔

کھانا کھلاؤ۔

یہ ارشاد اسلام کے پورے معاشی نظام کا موٹو ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتا رہے ہیں کہ ہمارا دین محض زبانی کلامی فلسفہ نہیں، جس میں خوش آئند باتیں ہوں۔ ذہنی پروازیں ہوں۔ محض روحانی، اخلاق اور اخروی گفتگو میں ہوں، اور معاشی و معیشی زندگی کی پیچیدگیوں کا کوئی حل نہ ہو۔ ایسے نظام کو کون پسند کرے گا جس میں زندہ رہنے کی سہولتیں نہ ہوں۔

حضورؐ نمازِ تہجد کا ذکر فرمانے سے پہلے طعام کا ذکر فرماتے ہیں۔ یہاں کھانا کھلانے کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ کبھی کبھار کسی غریب کو روٹی دے کر ثوابِ دارین حاصل کر لیا کرو، اور بھوکے، غریب ہمیشہ روٹیوں کے لیے تمھاری طرف ترستی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے رہیں اور زندگی بھر اسی محتاجی کی حالت میں رہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ یہ اسلامی مساوات کی روح کے خلاف ہے اور اس سے انسانیت، حاجت مند و حاجت روا کے دو مختلف طبقوں میں بٹ جاتی ہے۔

اس ارشاد کا مطلب ایسا نظامِ معاش قائم کرنا ہے کہ کوئی بھوکا نہ رہے۔ کوئی ننگا نہ رہے۔ بے گھر نہ رہے۔ بے علم و بے تربیت نہ رہے۔ بیمار و فکرمند نہ رہے۔ ہر فرد کو زندگی کی سہولتیں یکساں حاصل ہوں۔ طعام سے مراد محض دو روٹیاں نہیں، بلکہ پوری معاشی و معیشی زندگی ہے۔ اور افشوا السلام کا یہی پہلا عملی مظاہرہ ہے۔

پھر ارشاد ہوا:

وَصِلُوا الْاَرْحَام

صلہ رحمی کرتے رہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صلہ رحمی بھی افشوا السلام ہی کا عملی مظہر اور انسانیت کا ایسا امتیازی نشان ہے جو حیوانوں میں نہیں پایا جاتا۔ انسان کو عام حیواناتی سطح سے بلند کرنے والی یہی اخلاقی صفت ہے۔

اس ارشاد کے اندر جو روح کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ صلہ رحمی کا دائرہ محض چند قریبی افراد تک محدود نہیں رہنے دینا چاہیے بلکہ اسے ساری اولادِ آدم پر محیط ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ دراصل سارے بنی آدم ایک دوسرے کے "اولوالارحام" ہیں اور حقیقی طور پر سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔

اس کے بعد ایک بنیادی روحانی فریضے کی طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں متوجہ فرماتے ہیں:

وَصَلُّوْا باللیل والناس نیام

رات کو اس وقت اٹھ کر نماز پڑھو جب لوگ محوِ خواب ہوں۔

یہاں نمازِ پنجگانہ کا ذکر نہیں، اس لیے کہ یہ تو وہ فرض ہے جو ادا کرنا ہی ہے۔ جو کام کرنا ہی پڑے اس کا اجر تو ملتا ہے، لیکن تقربِ الٰہی نوافل ہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور اسی کی بدولت درجات و مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ اس دُنیا میں بھی یہی اصول کارفرما ہے۔ اگر ایک شخص مثلاً چھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہر روز ادا کرے تو بلاشبہ اسے معاوضۂ محنت پورا مل جائے گا، لیکن اگر وہ زائد وقت کی اجرت حاصل کرنے کی طمع کیے بغیر اپنی خوشی سے سات یا آٹھ گھنٹے کام کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسے کام کی لگن ہے، اس سے دلچسپی ہے، اس میں خیر خواہی کا سچا جذبہ ہے اور وہ تکمیل کار ہی کو کام کا معاوضہ سمجھتا ہے۔

یہ طریق کار ایک ایسا شریفانہ رجحان ہے کہ بے شک اس کے معاوضے میں کوئی اضافہ ہو یا نہ ہو لیکن اسے محبوبیت، ہر دلعزیزی، احترام اور تقرب مراتب ضرور حاصل ہوتے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی مروی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے: "میرا بندہ نوافل کے ذریعے مسلسل تقرب حاصل کرتا رہتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو وہ میرا ایسا محبوب ہو جاتا ہے کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ پھر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں (صحیح بخاری، کتاب الرقاق۔ باب التواضع)

اس حدیث قدسی کی تشریح کرنا اس وقت مقصود نہیں۔ بس اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ تقرب کے اس درجے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تمام دید و شنید اور ساری حرکات و سکنات مرضئ الٰہی کے قالب میں ڈھل جاتی ہیں۔ یہ ہے درجہ نوافل کا۔!

صلاۃ کا تعلق پوری زندگی سے ہے اور یہ تمام اعمالِ حیات کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔ اس میں جو نوافل اور شب زندہ داری کا ذکر کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ فرائض کے علاوہ نوافل ادا کرنے کی طرف بھی توجہ مبذول کی جائے، یعنی ہر شخص اپنی اصل ڈیوٹی سے زیادہ کام کرنے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں باتوں پر عمل کرنے کا نتیجہ یوں بیان فرمایا ہے کہ:

تدخلوا الجنۃ بسلام

تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

یہ چاروں ایسے عمل ہیں، جن کا نتیجہ فی الواقع جنت ہے۔

وہ شخص بڑا ہی عالی مرتبت ہے جو دوسروں کی بھلائی اور فائدے کے کام میں اپنی توانائیاں صرف کرتا ہے اور سب کو نفع پہنچانے کے لیے کوشاں ہوتا ہے، اور کسی سے دولت و منصب یا عہدہ و جاہ کا طالب نہیں ہوتا۔ کسی سے کسی نوع کے دنیوی مفاد کا خواہاں نہیں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے، اللہ کی خوشنودی اور لوگوں کی خیر خواہی کے لیے کرتا ہے۔ یہی وہ خطِ امتیاز ہے جو کافر کو مومن سے جدا کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com